نفلی حج ضروری ہے یا محتاجوں کی امداد

صدیقہ ارشد خلجی

اسلام میں حج اور جہاد دو ایسی عبادات ہیں جن میں مال اور جان کی قربانی دینا پڑتی ہے چنانچہ جن لوگوں کے دل خدائی محبت سے سرشار ہیں وہ مکہ معظمہ سے کتنے ہی دور ہوں اپنے مال و دولت کو خرچ کرکے وہاں جانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، لیکن حج کس پر واجب ہے؟ اگر واجب نہیں ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ ان سوالات کے بارے میں ہمیں قرآن مجید ہی سے روشنی حاصل کرنا ہوگی تاکہ ہمارا قدم اطاعت خداوندی کے دائرے سے باہر نہ جائے۔ قرآن مجید نے حج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

"وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا"

یعنی وہی لوگ بیت اللہ کا قصد کریں جن میں حج کرنے کی استطاعت ہے۔

استطاعت کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء کرام اور فقہائے عظام کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اس کی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ مال ہو تو پھر اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ ضروریات زندگی میں مکان، گھر کا سامان، نوکر؛ غرضیکہ یہ سب چیزیں داخل ہیں، جو مال ضروریاتِ زندگی سے زائد ہو اور یہ کہ سفر اور اس کے اخراجات کے لیے بھی کافی ہو[۱] تو پھر اسے حج کا شرف ضرور حاصل کرنا چاہیئے اگر یہ بات نہ ہو تو پھر اس پر حج واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں فرمودۂ قرآن کے مطابق حج کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔

حج زندگی میں صرف ایک دفعہ فرض ہے۔ دوسرا حج نفلی ہوگا۔ نفلی حج کے بارے میں علماء نے لکھا ہے

---

[۱]: المرغانی، الھدایہ، کتاب الحج۔ ص ۲۱۱، ۲۱۲ ۔ الجزیری کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ۔ کتاب الحج ص ۵۱۳-۵۱۴ ۔ فتاویٰ قاضی خان کتاب الحج ص ۱۳۴-۱۳۵ ،

کہ اگر کسی ملک میں غربت کا دور دورہ ہو اور معاشرہ میں انسان بنیادی ضروریاتِ زندگی کا محتاج ہو تو ایسے معاشرے میں نفلی حج پر جانے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ گردوپیش میں دم توڑتی ہوئی خدائی مخلوق کو سہارا دیا جائے۔ چنانچہ اس کے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں :۔

قال الرملی قال المرحوم الشیخ عبد الرحمٰن العمادی مفتی الشام فی مناسکہ واذا حج حجۃ الاسلام فصدقۃ التطوع بعد ذالک افضل من حج التطوع ۔ قلت ان صدقۃ التطوع فی زماننا افضل .... لشح عامۃ الناس بالصدقات وترکھم الفقراء والایتام فی حسرات ولاسیما فی ایام الغلاء وضیق الاوقات حیث تتضاعف الحسنات" [۲]

"امام رملی نے کہا ہے کہ شام کے مفتی عبدالرحمٰن العمادی مرحوم نے اپنی کتاب مناسک میں لکھا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ حج کرے تو نفلی حج یعنی دوسرے حج سے صدقہ (جو غریبوں اور محتاجوں کو دیا جاتا ہے) بہتر اور افضل ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اکثر اہلِ ثروت نے بخل سے کام لیتے ہوئے صدقات سے ہاتھ اٹھالیا ہے اور فقیروں اور یتیموں کو حرمانِ نصیبی میں چھوڑ دیا ہے۔ خاص طور پر اس تنگ دستی اور مہنگائی کے دور میں جب کہ نیکیاں (محتاجوں کی امداد کرنا) خوب پھلتی پھولتی ہیں"۔

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں :۔

ثم رأیت فی متفرقات اللباب الجزم بان الصدقۃ افضل منہ ...... والحق التفصیل فما کانت الحاجۃ فیہ اکثر والمنفعۃ فیہ اشمل فھو الافضل کما ورد حجۃ افضل من عشر غزوات وورد عکسہ فیحمل علی ما کان انفع فاذا کان اشجع وانفع فی الحرب فجھادہ افضل من حجہ اوبالعکس وکذا بناء الرباط ان کان محتاجًا الیہ کان افضل من الصدقۃ وحج النفل واذا کان الفقیر مضطرًا فقد یکون اکرامہ افضل من حجات وعمر وبناء ربط [۳]

---

[۲] : الشامی ۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق لابن نجیم ، کتاب الحج ص ۳۳۲

[۳] رد المختار علی الدر المختار کتاب الحج ، ص ۲۷۵ ،

"یعنی کتاب اللباب کے باب متفرقات میں صاحب اللباب نے بڑی تاکید کی ہے کہ حج سے صدقہ افضل ہے"۔

اس باب میں اصل بات یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت زیادہ ہو اور اس میں عام لوگوں کا فائدہ ہو اس کام کو کرنا ضروری اور افضل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک حج دس غزوات سے افضل ہے اور دوسری روایت اس کے برعکس ہے یعنی ایک غزوہ دس حجوں سے افضل ہے۔ لہذا جو کام مفید ہو اور اس کا فائدہ عام ہو اسی کو کرنا افضل و مستحسن ہے۔ اگر ایک آدمی کی جہاد میں زیادہ ضرورت ہے اس لیے کہ وہ بہادر ہے اور جہاد کے لیے زیادہ مفید' تو اس کے لیے حج پر جانے کی بجائے جہاد پر جانا زیادہ ضروری ہے۔ اس طرح بالعکس اور اگر ملک میں مسافروں کے لیے سرائے کی تعمیر کی ضرورت ہے تو اسے تعمیر کرنا صدقہ اور حج نفلی وغیرہ سے زیادہ ضروری اور افضل ہے اور اگر (کسی کے شہر، محلے یا گاؤں میں) لوگ مالی کسمپرسی کا شکار ہیں تو ان کی امداد کرنا کئی بار حج یا عمرہ کرنے یا سرائے بنانے سے کہیں زیادہ افضل ہے۔

سولھویں صدی کے معروف سندھی عالم مخدوم محمد جعفر السندی حج کے متعلق تحریر کرتے وقت اپنے ماحول اور گردوپیش کی زندگی اور شریعت کے اسرار و مصالح سے پوری طرح باخبر تھے، اور برصغیر کے مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات سے بھی آگاہ تھے آپ فرماتے ہیں :-

وفی المضمرات من الملتقط بناء الرباطات لمنفعة المسلمين افضل من الاتيانِ بالحج التطوع ومن الكبرى لوحج مرة فاراد ان يحج مرة اخرىٰ فالحج افضل ام الصدقه؟ المختار ان الصدقة افضل لان منفعتها تعود الى غيره والحج ليس كذلك، فى زاد المعاد قال ابوبكر الوراق لان احفظ قلب مؤمنٍ فقير احب الى من الف حجة مبرورة[۴۵]

یعنی کتاب ملتقط کے باب مضمرات میں ذکر ہے کہ مسلمانوں کے فائدے کے لیے سرائیں تعمیر کرنا حج نفلی سے زیادہ بہتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایک آدمی فرض حج ادا کر چکا ہے اور دوسرا حج جو نفلی ہے' کرنا چاہتا ہے تو یہ نفلی حج افضل ہے یا (اس کی رقم سے غریبوں، یتیموں اور محتاج لوگوں کی امداد کرنا) افضل ہے۔ قول مختار یہ ہے کہ صدقہ (غریبوں میں تقسیم کرنا) بہتر ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ دوسروں کو

---

۴۵ - المخدوم محمد جعفر السندی المتانة عن مرمة الخزانة۔ کتاب الحج ص۲۸۴، کراچی سنہ ۱۹۶۳ء

پہنچتا ہے اور حج میں یہ صورت نہیں ہے۔ زاد المعاد میں ہے کہ ابو بکر الوراق نے کہا کہ میرے لیے ایک مرد مومن لیکن محتاج کا دل رکھنا یعنی اس کی مالی امداد کرنا ایک ہزار مقبول حجوں سے زیادہ محبوب ہے۔ علامہ طاہر بن احمد البخاری فرماتے ہیں۔ الصدقۃ افضل من الحج اذا حج مرۃ[۵] یعنی جس شخص نے ایک دفعہ حج کیا ہو تو صدقہ دوسرے حج سے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی اس حج کی رقم کو غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا جائے۔

ان مثالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علماء کرام نے وقت کی نزاکت کا کس حد تک خیال رکھا ہے۔ اس امر کا خیال رکھنا آج بھی ضروری ہے۔

آج ملک میں سیلاب سے لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے ہیں۔ اکیلی حکومت اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتی۔ ایسے حالات میں بقول امام شامی مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کرنا زیادہ ضروری ہے۔ نہ کہ دوسرے حج پر جانا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک درہم کا صدقہ ہزار درہم سے زیادہ ہے اور ایک رکعت نماز ہزار رکعتوں سے افضل ہے۔ اس لیے یہاں کے محتاجوں اور مجبوروں کے بجائے وہاں کیوں نہ خرچ کریں۔؟ ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ فقہائے کرام کے ہاں ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ اور صدقہ کا مال لے جانا منع ہے۔ جب تک اس شہر کے لوگوں کی تمام ضروریاتِ زندگی پوری نہ کر دی جائیں۔ پھر یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں اس مال کو منتقل کیا جائے اور وہ بھی ایسے ملک میں جہاں لوگوں کی تمام ضروریاتِ زندگی پاکستان کی بہ نسبت بہ طریقہ احسن پوری ہو رہی ہیں۔

۵۔ طاہر بن احمد البخاری، خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الحج ص۳۳۳، دہلی ۱۳۱۸ھ

منیٰ؛ ابو بکر عبد الرزاق۔ المصنف، بیروت جلد ۵ ص۱۲،